ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.03 (2025)

تنقید کے مفہوم کی روشنی میں تنقیدی روایت کا تحقیقی مطالعہ

The Analytical Study of Critical Tradition in the Light of the Concept of Criticism

1. ***Dr. Naila Abdul Karim*** *(Corresponding Author)*
   Assistant Professor, Department of Urdu, University of Mianwali, Mianwali, Pakistan.
   Email: nailakarim7@gmail.com
2. ***Dr. Aamar Iqbal***
   Assistant Professor, Department of Urdu, Muslim Youth University, Islamabad, Pakistan.
   Email: aamiriqbaledu@gmail.com
3. ***Dr. Mudassar Iqbal***
   Head of Urdu Department, Superior College, Gujrat, Pakistan.
   Email: mudassarshah223@gmail.com

Abstract

Criticism, as a vital intellectual faculty, plays a decisive role in the advancement of human life, knowledge, and civilization. Without the power of observation, analysis, and sound judgment, human society would fall into stagnation, unable to differentiate between truth and falsehood or progress and regression. This article provides an analytical study of the concept of criticism, tracing both its linguistic meanings and its applied significance in intellectual and literary traditions. The literal meaning of "criticism" in Urdu and English—such as examination, evaluation, discernment, and judgment—indicates that genuine criticism is not mere fault-finding but an impartial process of assessment. True criticism identifies both strengths and weaknesses, aiming to refine thought, improve creativity, and foster intellectual growth. By highlighting the perspectives of classical and modern critics, this article demonstrates how critical insight has historically functioned as a guiding light, enabling societies to evolve intellectually and morally. Furthermore, the study argues that criticism, when properly understood, is not destructive but constructive, designed to preserve values, establish standards, and enhance the quality of human expression, especially in literature and art. It also emphasizes that criticism requires keen observation and unbiased reasoning to be effective in distinguishing the genuine from the superficial. In conclusion, criticism emerges as a fundamental intellectual necessity, ensuring that human thought, culture, and creativity do not remain static but continue to progress toward excellence and refinement.

Keywords: *Criticism, Critical Thinking, Human Progress, Intellectual Growth, Literary Tradition, Sound Judgment*

تعارف موضوع

انسانی زندگی کی ترقی اور تہذیبی ارتقا میں تنقید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اگر انسان کو باریک بینی سے مشاہدہ کرنے اور درست فیصلے کرنے کی صلاحیت نہ دی جاتی تو نہ تو علم وفنون میں ترقی ممکن تھی اور نہ ہی معاشرتی زندگی میں ارتقا۔ تنقیدی بصیرت وہ روشنی ہے جو انسان کو اچھے اور برے، سچے اور جھوٹے، کھوٹے اور کھرے کے درمیان امتیاز کرنے کی طاقت دیتی ہے۔ یہی صلاحیت فرد کو بہتر فیصلے کرنے اور زندگی کی سمت متعین کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ تنقید کے لغوی

معنی پرکھنے، جانچنے اور کھوٹے کھرے کی تمیز کرنے کے ہیں، جبکہ اصطلاحی طور پر یہ ایک فکری عمل ہے جس کے ذریعے کسی تخلیق یا نظریے کی خوبیوں اور خامیوں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ ادب کے میدان میں تنقید کا مقصد محض خامیاں تلاش کرنا نہیں بلکہ ایک متوازن رویہ اختیار کرتے ہوئے معیارات قائم کرنا اور تخلیق کو نکھارنا ہے۔ اسی لیے بڑے ناقدین نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ تنقید تعمیری ہونی چاہیے تاکہ یہ ادب و فن کو ارتقا اور کمال کی جانب گامزن کرے۔ زیرِ نظر مقالے میں تنقید کے مفہوم اور اس سے وابستہ فکری و ادبی روایت کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

تنقید کا مفہوم اور اس کی لغوی و اصطلاحی توضیح

اگر انسان کو ابتدا ہی سے اپنے ماحول کا گہرا اور باریک بینی سے مشاہدہ کرنے اور ان پر درست رائے قائم کرنے کی صلاحیت عطا نہ کی جاتی، تو ترقی کی کوئی منزل طے نہ ہو پاتی۔ زندگی جمود کا شکار ہو جاتی اور انسانی معاشرہ تعطل و توقف کی کیفیت میں منجمد رہتا۔ نتیجتاً علوم و فنون اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں جو روز افزوں ترقی ہمیں نظر آتی ہے، اس کا سراغ بھی نہ ملتا۔ تنقیدی بصیرت انسانی حیات کے لیے نہایت ضروری ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے ہم اچھائی اور برائی، کھوٹے اور کھرے، اعلیٰ اور ادنیٰ، مکمل اور نامکمل، خوشگوار اور ناخوشگوار امور میں فرق کر پاتے ہیں۔ یہی صلاحیت ہمیں زندگی کی درست سمت متعین کرنے اور بہتر فیصلے کرنے کی راہ دکھاتی ہے۔ دراصل تنقید وہ روشنی ہے جو انسان کو فکری اندھیروں میں رہنمائی فراہم کرتی اور اسے ارتقاو کمال کی جانب گامزن رکھتی ہے۔ تنقید کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ تنقید کے معنی و مفہوم سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف لغات میں اس کے معنی دیکھے جائیں۔ تاکہ تنقید کے لفظی معنی تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ چنانچہ تنقید کے معنی ہیں:

"جانچ، پرکھ، تمیز، تبصرہ، نقد، نکتہ چینی"[1]

تنقید:

"کھوٹا کھرا پرکھنا، جانچ　　کچھ تو نگاہ ناز سے تنقید کیجیے (عزیز لکھنوی)

کھرے اور کھوٹے کا، معیاری اور غیر معیاری کا تاکہ اچھا ادب تخلیق ہو۔ تنقید کے حوالے سے مختلف ناقدین ادب نے بھی اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ قیوم صادق احمد پوری کے مطابق:

> "تنقید کے لغوی معنی "پرکھنے" یا برے بھلے کا فرق معلوم کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ کرنا اور اس پر کوئی رائے قائم کرنا تنقید کہلاتا ہے۔"[2]
>
> اردو میں بالعموم کسی کے کلام یا تصنیف میں غلطیاں نکالنے کو کہتے ہیں۔"
>
> انگریزی میں تنقید کے لیے "Criticism" کا لفظ استعمال ہوا جس کے معنی "تنقید اور حرف گیری"[3] کے ہیں

---

(1) عبد الحق، پروفیسر، "عصری لغت" دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص، ۱۰۸

(2) مہذب لکھنوی، حضرت، مرتب 'مہذب اللغات'، جلد سوم، مقرب لکھنوی مینجر محافظ اردو بک ڈپو، نیا محل منصور نگر، لکھنو، ۱۹۶۳ء، ص، ۳۱۲

(3)Rekhta E books "English urdn Dictionary",P, ۲۶

چنانچہ ان تمام معنوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تنقید سے مراد اعلیٰ و ادنیٰ، اچھے اور برے میں تمیز ہے۔ کہ جس سے بلا تعصب ایک معیار قائم ہو جائے۔ کھرے اور کھوٹے کا، معیاری اور غیر معیاری کا تاکہ اچھا ادب تخلیق ہو۔ تنقید کے حوالے سے مختلف ناقدین ادب نے بھی اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ قیوم صادق احمد پوری کے مطابق:

"تنقید کے لغوی معنی "پرکھنے" یا برے بھلے کا فرق معلوم کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ کرنا اور اس پر کوئی رائے قائم کرنا تنقید کہلاتا ہے۔"(1)

اسی رائے سے مماثل رائے ڈاکٹر سید عبد اللہ کی ہے جو انہوں نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالے سے بیان کی ہے:

"کسی جمال پارے کے خصائص اور قیمت کے بارے میں محاکمہ کرنے یا فیصلہ صادر کرنے کا فن تنقید کہلاتا ہے۔"(2)

ان دونوں آراء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم وزیر آغا کا تنقید کے بارے میں نقطہ نظر پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

"رہا تنقید کا معاملہ تو اس کا کام ادب کی تقویم اور تشریح ہے۔ وہ نہ صرف ادبی تحریر کو غیر ادبی تحریر سے ممیز کرنے پر قادر ہے۔ بلکہ ادبی تحریر کے معیار ساخت اور مزاج کا تجزیہ بھی کرتی ہے۔"(3)

چنانچہ اگر تنقید کو وسیع تر معنوں میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ تنقیدی شعور ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسی شعور کے طفیل زندگی میں انقلاب انگیز تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ انسان قدم بہ قدم خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، یہی جستجو اسے ترقی کی منازل تک پہنچاتی ہے۔ اسی تنقیدی جذبے کے ذریعے انسان رن راہِ ترقی میں حائل رکاوٹوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا، ان کی حقیقت کو سمجھتا اور انہیں دور کرنے کی سعی کرتا ہے۔ یہ تمام عمل تنقید کے بغیر ممکن نہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو تنقید کی ضرورت و اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ ادب کی گہری اور بہتر تفہیم کے لیے تنقید ناگزیر ہے، کیونکہ تنقید قاری کے اندر ذوق و شوق کو نکھارتی اور اس کی فکری صلاحیتوں کو منضبط کرتی ہے۔ نتیجتاً وہ تمام کام بہ حسن و خوبی انجام پاتے ہیں جو ایک مؤرخ، ماہرِ نفسیات، شاعر اور مصنف کے ذمے قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنا اور اس پر روشنی ڈالنا نہایت ضروری ہے- تنقید کے توسط سے انسان حیات و کائنات کی ازلی و ابدی حقیقتوں تک رسائی پاتا ہے۔ تنقید تخلیق کے لیے چراغِ راہ کا درجہ رکھتی ہے اور بعض اوقات اس کی عدم موجودگی میں تخلیقی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں اور اپنی اصل توانائی اور حسن کے ساتھ ابھرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ تنقید کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ اسے اختیار کرنا ہی انسانی زندگی کی معراج اور فکری ارتقا کی ضمانت ہے-

---

(1) قیوم صادق احمد پوری "اردو ادب میں تنقید کی اہمیت"، ادبی سرکل احمد پور ضلع عثمان آباد، (مہاراشٹر)، ۱۹۶۶ء، ص،۱۵

(2) سید عبد اللہ، ڈاکٹر، "اشارات تنقید"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص،۱۶

(3) وزیر آغا، ڈاکٹر، "تنقید اور جدید اردو تنقید"، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص،۱۶

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

بقول حامد اللہ افسر؛

"تخلیقی ادب حیاتِ انسانی کی ترجمانی کرتا ہے اور تنقید، تخلیقی ادب کی ترجمانی کرتی ہے۔"[1]

تخلیق اور تنقید دونوں آپس میں شانہ بشانہ کام سرانجام دیتی ہیں۔ تنقیدی بصیرت ہی تخلیق کار کو عمدہ فیصلوں کے انتخاب پر اکساتی ہے۔ اور وہ کچھ چیزوں کو ردو قبول کی کسوٹی سے گزار کر اپنی تخلیق میں جگہ دیتا ہے۔ بقول پروفیسر آل احمد سرور:

"بڑے تخلیقی کارنامے بغیر ایک اچھے تنقیدی شعور کے وجود میں نہیں آسکتے۔ تخلیقی جوہر بغیر تنقیدی شعور کے گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور تنقیدی شعور بغیر تخلیقی استعداد کے بے جان رہتا ہے۔"[2]

شاعر اور ادیب فطرتاً تخلیقی ذہن کے مالک ہوتے ہیں، لیکن تخلیق کے ساتھ ساتھ فن پارے کے تجزیے اور قدر شناسی کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیق کاروں کے ساتھ ساتھ تنقید نگاروں کی موجودگی بھی ناگزیر ہے۔ اگر تنقید اپنے شایانِ شان معیار کو قائم کر لے تو وہ محض ایک رائے نہ رہتی بلکہ ایک باوقار منصب اور ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

"تنقید نگاری ایک فن ہے فلسفہ و جمالیات کی طرح جس کی اپنی انفرادیت ہے صدیوں کی روایات اس کا سرمایہ ہیں۔ جس کے پس منظر میں ہمیشہ ترقی کی منزلیں اپنا سفر طے کرتی رہی ہیں۔ اور آج بھی اس کو تمنا ہے کہ اپنے لیے ترقی کی راہیں نکالے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کو آرٹ کی منزل تک پہنچنے میں بہت عرصہ لگا ہے اور اس سلسلے میں اس کو بیسیوں صحراؤں کی خاک چھاننا پڑی ہے۔ لیکن آج اس کو آرٹ کہتے ہوئے کسی کو بھی جھجک محسوس نہیں ہو سکتی۔"[3]

تنقید کا اصل مقصد کسی فن پارے کے معیار کا تعین کرنا اور اس کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا ہے۔ ایسے فیصلے ادب کے معیار کو قائم رکھنے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ادب کو اعلیٰ اور معیاری بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تنقید دراصل اعلیٰ ادب کی تعمیر اور تخلیق کا وسیلہ ہے۔ اگر تنقید نہ کی جائے تو ادب میں غیر معیاری اور کمزور مواد کے شامل ہونے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔

---

(1) حامد اللہ افسر، "تنقیدی اصول اور نظریے"، کوہ نور پبلی کیشنز، ۱۹۶۴ء، ص،۱۹

(2) اشتیاق احمد، مرتب "اردو تنقید"، انتخاب مقالات، القمر انٹرپرائزز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص،۱۳

(3) عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "تنقیدی زاویے"، مکتبہ اردو، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص،۱۱

یہی وجہ ہے کہ تنقید کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر اظہارِ خیال ناگزیر ہے تاکہ ادب اپنی اصل معیار کو قائم رکھنے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ادب کو اعلیٰ اور معیاری بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ تنقید دراصل اعلیٰ ادب کی تعمیر اور تخلیق کا وسیلہ ہے۔ اگر تنقید نہ کی جائے تو ادب میں غیر معیاری اور کمزور مواد کے شامل ہونے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر اظہارِ خیال ناگزیر ہے تاکہ ادب اپنی اصل شان و شوکت اور فکری بلندی برقرار رکھ سکے۔ تنویر بخاری لکھتے ہیں:

> ''ہر ماحول اور معاشرے کی اپنی اپنی اقدار ہوتی ہیں اور ایک تخلیق کار اپنی اقدار کی نمائندگی کرتا ہے ایک نقاد تخلیق کار کے فن پارہ کی پرکھ کرتے ہوئے یہ دیکھتا ہے کہ آیا اس نے مروجہ اقدار کی بطریق احسن نمائندگی کی ہے، یا نہیں؟ یہ اقدار ادبی بھی ہو سکتی ہیں اور معاشرتی، سماجی، سیاسی، معاشی اور مذہبی بھی۔ نقاد کسی فن پارہ پر تنقید کرتے وقت تمام مروجہ اقدار کو ملحوظ رکھتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ تخلیق کار نے مروجہ اقدار سے انحراف کیا ہے یا ان اقدار کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے۔''(1)

بعض اوقات معاشرہ فرسودہ اور غلط رسوم و رواج کا شکار ہو جاتا ہے۔ تخلیق کار ان رسوم کی نشاندہی کرتا اور ان پر طنز کے ذریعے اظہارِ خیال کرتا ہے۔ نقاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھے کہ تخلیق کار نے کس انداز کو اپنایا ہے: ناصحانہ، اصلاحی یا محض تنقیدی؟ ساتھ ہی یہ بھی جائزہ لینا ضروری ہے کہ آیا قاری خود بخود خیر و شر میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ خیر و شر میں تمیز کرنا نقاد کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اگر کوئی تحریر معاشرے میں انتشار پیدا کرنے یا معاشرتی اقدار کے منافی ہونے کا باعث بنے تو نقاد اس پر تنقید کرتے ہوئے اس کی مذمت کرتا ہے، تاکہ عوام ایسے منفی اثرات سے باخبر رہیں اور ان کے خلاف آواز بلند کر سکیں-یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک صحت مند اور متوازن معاشرے کی تشکیل کے لیے تنقید ناگزیر ہے۔ بڑے بڑے تخلیقی کاموں کی تکمیل کے لیے ایک بیدار اور مثبت تنقیدی شعور ضروری ہے۔ تنقید کا اصل فریضہ فیصلے صادر کرنا ہے—یعنی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دینا اور ادب و زندگی کو ایک معتبر پیمانہ فراہم کرنا۔ تنقید انصاف کے تقاضے پورے کرتی ہے اور انسانی زندگی کو مشکلات سے نجات پانے کا راستہ دکھاتی ہے۔ تنقیدی رویہ ہمیں علم و آگہی عطا کرتا ہے اور فن پارے کی تخلیق میں مدد دیتا ہے، کیونکہ تنقید کے لیے تخلیقی مواد ناگزیر ہے اور تخلیقی مواد اپنی اصل تابناکی کے ساتھ تنقید ہی کے وسیلے سے جنم لیتا ہے۔ بقول سجاد باقر رضوی:

> فن پارے پر تنقید کے لیے فن پارے کا وجود ضروری ہے اسی طرح فن پارے کے وجود کے لئے زندگی پر تنقید ضروری ہے۔''(2)

---

(1) تنویر بخاری، ''رموز تنقید''، مکتبہ دانیال، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص، ۱۰

(2) احتشام حسین، مرتب ''تنقیدی نظریات''، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص، ۹۰

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

تنقید زندگی کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ ہمیں سچائی اور نیکی کی راہوں پر گامزن کرتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تنقید کو ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کے بغیر ادب اپنی صحیح سمت متعین کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اس کی تفہیم بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً ایسا ادب عوامی دلچسپی پیدا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید ادب کو زندہ اور بامقصد رکھنے کے لیے ناگزیر ہے۔ مولوی عبدالحق رقم طراز ہیں:

> ''تنقید کئی خدمتیں انجام دیتی ہے۔ خود نقاد اور ادیب کے حق میں بھی یہ اصلاح کا باعث ہے۔ اسے ذاتی اظہار کا موقع دیتی ہے اور ضبط سکھاتی ہے۔ ایک طرف وہ سنت قدیم پر غیر ضروری شیفتگی سے بچاتی اور دوسری طرف جدت یا جذبات کے زور میں تمام حدود کو توڑ کر نکل جانے سے روکتی ہے۔ یعنی بریک کا کام دیتی ہے۔ پڑھنے والوں کے لیے تاریخ اور تعلیم کا سامان مہیا کرتی ہے اور تہذیب کا ذوق پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ غرض ادب کے فروغ و ترقی کے لیے تنقید لازم ہے۔''[1]

تنقید زندگی کے مسائل کے حل میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ ادبی تنقید کے ذریعے صحت مند فکر کو فروغ ملتا ہے اور دلکش تخلیقات کے امکانات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس طرح تنقید انسانی زندگی کے لیے ضروری ہے، اسی طرح ادب اور فنونِ لطیفہ کے لیے بھی ناگزیر ہے، کیونکہ جو عناصر زندگی کے لیے اہمیت رکھتے ہیں وہی ادب کی بنیاد میں بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ ادب میں حقیقی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب تخلیق کار اور قاری، دونوں، اسے مزید بہتر اور معیاری بنانے کی کوشش کریں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تنقید ہر شعبۂ حیات میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

انسانی فطرت، جو تغیر پسندی کی خوگر ہے، نے آغازِ آفرینش سے ہی کائنات پر غور و فکر شروع کر دیا۔ حالانکہ انسان کی پیدائش کے وقت اس کے پاس کوئی منظم نظامِ حیات موجود نہ تھا، لیکن اس کی فطری جستجو اور خوب سے خوب تر کی تلاش نے اسے ایک نظامِ فکر عطا کیا اور یہی فکر اس کے ارتقا کا ذریعہ بنی۔ انسان کی نمو پذیر فطرت نے اپنی خیالی دنیا کو عملی شکل دینے کا عزم کیا اور آج وہ نہ صرف سمندروں میں تیرنے کے خواب دیکھتا ہے بلکہ ایسے آلات ایجاد کر چکا ہے جن کے ذریعے وہ پانی میں تیرتا اور فضاؤں میں پرواز کرتا ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر فنکار کے اندر ایک تنقیدی شعور ودیعت کیا گیا ہے، جو اسے اپنی تخلیق کا ناقدانہ جائزہ لینے پر آمادہ کرتا ہے۔ فنکار کا یہ تنقیدی شعور جتنا مضبوط اور پختہ ہوگا، اتنا ہی وہ اپنی تخلیق میں نکھار پیدا کرنے میں کامیاب ہوگا۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جس زبان کا ادب جتنا قدیم ہوگا، اس کی تنقید بھی اتنی ہی قدیم ہوگی۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سب سے قدیم ادب یونانی زبان کا ہے، اسی لیے تنقید کی ابتدا بھی یونانی ادب ہی سے ہوئی، جس کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

تقریباً چار سو برس قبل مسیح افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم فلسفی پیدا ہوئے۔ افلاطون نے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ کو بھی خاصی اہمیت دی اور ابتدا میں شاعری بھی کی، لیکن بعد ازاں شاعری کے بعض پہلوؤں سے بدگمانی کے باعث اس نے شاعری ترک کر دی۔ تاہم جب وہ شاعری کرتا تھا تو ایسی شاعری کو ناپسند کرتا جو مقصدیت سے خالی اور لاقانونیت پر مبنی ہو۔ انہی مبالغہ آمیز اور بے مہار رجحانات کو دیکھتے ہوئے اس نے شاعری سے کنارہ کشی اختیار کی۔

---

(1) آمنہ صدیقی، مرتبہ ''افکار عبدالحق''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۹۹

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

افلاطون شاعر کے ذہن میں ابھرنے والے خیال کو خدائی تخلیق قرار دیتا تھا۔ اس کے نزدیک شاعر کے ذہن میں اترنے والا تصور اس اصل حقیقت کا عکس ہے جو خدا کی جانب سے شاعر پر القا کی جاتی ہے۔ شاعر کا کام محض یہ ہوتا ہے کہ وہ اس الہامی تصور کو الفاظ کا پیکر عطا کرے اور یوں وہ حقیقت کی ایک اور نقل پیش کرتا ہے۔ چنانچہ افلاطون کے بارے میں وہاب اشرفی یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"افلاطون پہلا شخص ہے جس نے ادب کو نقل کیا ہے اس لیے یہ بات صادق آتی ہے کہ ادب زندگی اور فطرت کی عکاسی یا پرتو کا دوسرا نام ہے۔"(1)

یوں کہا جا سکتا ہے کہ افلاطون کو ادبی تنقید کا اوّلین نقاد تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین نقادوں میں ہوتا ہے۔ افلاطون نے ادب کے ہر روحانی اور فکری پہلو پر روشنی ڈالی۔ اس نے پہلی مرتبہ تمثیل کو رزمیہ (ایپک) پر ترجیح دی اور بعد کی نسلوں نے فن و ادب کو اسی کی تنقید کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی۔ افلاطون ایسی شاعری کا سخت مخالف تھا جو اخلاقیات سے خالی ہو۔ لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مثالی نقاد تھا اور اسی سے باقاعدہ ادبی تنقید کا آغاز ہوا۔ افلاطون کا شاگرد ارسطو تھا، مگر اس کے نظریات اپنے استاد سے مختلف تھے۔ ارسطو نے افلاطون کے خیالات کا منطقی اور سائنسی انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے کئی مقامات پر اختلاف کیا اور افلاطون کے نظریۂ نقل کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

"نقل کرنے کی جبلت انسان میں ازل سے موجود ہے۔ وہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ نقال ہے۔ اور اپنے ابتدائی سبق نقل ہی کے ذریعے سیکھتا ہے۔ پھر ہم سب میں نقل سے وجود میں آئے ہوئے کاموں سے لطف اندوز ہونے کی جبلت بھی موجود ہے۔"(2)

یوں دیکھا جائے تو ارسطو کی مشہور تصنیف "بوطیقا" ہی سے یونانی ادب میں تنقید کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک اور اہم تصنیف "علمِ فصاحت" بھی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں اس نے مختلف اصنافِ سخن پر تفصیلی بحث کی اور ان کے لیے رہنما اصول متعین کیے۔ اسی وجہ سے ارسطو کو یونانی تنقید کا باوا آدم قرار دیا جاتا ہے۔ ارسطو کے بعد یونانی فلسفی لانجائنس کا نام نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنا معروف مقالہ "On the Sublime" تحریر کیا جس میں فصاحت و بلاغت کو اعلیٰ ادب کا بنیادی معیار قرار دیا۔ البتہ ڈاکٹر خورشید جہاں نے لانجائنس کے بجائے ہوریس کو ارسطو کے بعد مغربی تنقید کا سب سے اہم نام قرار دیا ہے اور اس کی درج ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

i. سٹائرس
ii. ایپوڈس
iii. اوڈس
iv. کارمن سیکولیر
v. ایپسٹلس
vi. آرٹس پوئیٹکا

(1) وہاب اشرفی ڈاکٹر "قدیم ادبی تنقید" تعلیمی مرکز، خزانچی روڈ، پٹنہ، ۱۹۷۳ء، ص ۱۹
(2) جمیل جالبی، ڈاکٹر، مترجم "بوطیقا" ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۰

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

خورشید جہاں کے مطابق "آرٹس پوئیٹکا" ہی وہ کتاب ہے جس سے ہوریس کے نظریۂ نقد کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ منظوم ہے مگر اس میں مراسلے کی شکل میں فنِ شعر کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی بھی ارسطو کے بعد لانجائنس کو پہلا اہم نقاد تصور کرتے ہیں اور اس کے مقام و مرتبے کو تنقید کی تاریخ میں نمایاں قرار دیتے ہیں۔

"ارسطو کے بعد تنقیدی فکر میں جو یونانی اہم ہے۔ وہ لونجائنس (پہلی صدی عیسوی) کا ہے۔ لونجائنس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ کون تھا۔ کیا تھا۔ لیکن قرائن اور داخلی شواہد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یونان کا باشندہ تھا۔ اور پہلی صدی عیسوی میں اس نے اپنا مقالہ "علویت کے بارے میں" تصنیف کیا تھا۔ ۱۰۰۴ء میں یہ مقالہ پہلی بار دریافت ہوا اور اس کی شہرت اس وقت پھیلی جب فرانسیسی شاعر و نقاد 'لولو' نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا۔"[1]

ڈاکٹر جمیل جالبی کی فراہم کردہ معلومات سے بہ آسانی اتفاق کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کی پیش کردہ آرا نہایت گہرائی اور عمیق مطالعے کا نتیجہ ہیں اور یہی ان کے مؤقف کی سچائی کی دلیل ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یونانی نقادوں نے محض نظم و نثر ہی پر گفتگو نہیں کی بلکہ مختلف اصنافِ سخن کو مدلل اور مربوط انداز میں پیش کیا۔ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے یونانی ادب میں تنقید کی ابتدا اور اس کے ارتقا کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ سنسکرت میں ادب کے لیے "کاویہ" اور "ساہتیہ" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ لفظ "کاویہ" کا ماخذ "کوی" ہے جس کے معنی شاعر کے ہیں۔ یہ لفظ دراصل "کو" سے نکلا ہے، جس کے معنی آواز پیدا کرنا یا گانا ہیں۔ یوں "کاویہ" فطرت اور انسان کے باہمی تعلق اور میل جول کا حاصل ہے۔ ادب کے لیے دوسرا لفظ "ساہتیہ" ہے جو "سہت" بمعنی ساتھ سے نکلا ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان محسوساتی "رَس" میں بہہ کر اس کیفیت سے ہم آہنگ ہو جائے جو ادب کی اصل روح ہے۔ قواعد دانوں کے نزدیک لفظ اور معنی کا رشتہ ایسا ہے کہ نہ لفظ بغیر معنی کے وجود رکھتا ہے اور نہ معنی بغیر لفظ کے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور جب یہ دونوں "رَس" کے ذریعے ایک وحدت میں ڈھل جاتے ہیں تو ادب تخلیق ہوتا ہے۔ پروفیسر عنوان چشتی "رَس" کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ہر ایک رس کا ایک استھائی بھاؤ ہوتا ہے۔ شر نگار اس کا استھائی بھاؤ رتی یا جذبہ عشق ہاسیہ کا ہاسیہ یا مزاح، کرن کا شوک یا جذبہ غم، رودر کا کرودھ یا غصہ، ویر یہ کا اتساہ یا جوش، بھیانک کا بھے یا خوف، وی بھتس کا "جگپ سا" یا نفرت اد بھُت کا وسمے یا حیرت اور شانت کا استھائی بھاؤ سکون ہے۔"[2]

سنسکرت میں **رَسائیت** اور **اَلنکار** کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ کسی کلام کو حسن و خوبی کی رَسائیت کے پیمانے پر پرکھا جاتا ہے، اور **اَلنکار** یعنی کلام کی ظاہری زیب و زینت بھی کم درجے میں نہیں۔ جس طرح زیورات جسم کو آرائش بخشتے ہیں، اسی طرح اَلنکار الفاظ کو جاذبِ نظر بناتا اور معنی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

---

(1) جمیل جالبی، ڈاکٹر، "ارسطو سے ایلیٹ تک" ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص، ۲۰

(2) عنوان چشتی "معنویت کی تلاش" رنگ محل پبلی کیشنز، مظفر نگر، ۱۹۸۳ء، ص، ۳۴

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.03 (2025)

بھرت منی کے نزدیک **ڈرامے کی اصل روح"رَس"** ہے اور یہی وہ آفاقی عنصر ہے جسے ابھارنا شاعری کا بلند ترین مقصد ہے۔ فنونِ لطیفہ زندگی کے حقیقی نقوش ہیں اور یہی نقوش فطرت کے شاہکاروں کا عکاس بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ بھرت منی ڈرامے کو اس **نقل** سے تعبیر کرتا ہے جو حقیقت کا عکس بن کر ہمارے سامنے مجسم ہو جاتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح یونانی ادب کی تاریخ نہایت قدیم ہے، اسی طرح سنسکرت ادب کی روایت بھی بڑی شکل کہی جا سکتی ہیں۔ زاویۂ نگاہ مختلف رہا ہے؛ یونانی ادب میں شاعری کو "نقل" سمجھا گیا، جب کہ سنسکرت میں اسے "سچائی کا عکس" قرار دیا گیا۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> "عرب میں بازار عکاظ کے موقع پر مشاعرہ ہوتا تھا جس میں دور دور کے شاعر شریک ہو کر اپنا کلام سناتے تھے۔ مختلف قبیلوں کے شاعر جب اپنا کلام سنا کر ختم کرتے تھے تو کوئی بزرگ جن کی قابلیت میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا ان اشعار کی اچھائیاں اور برائیاں صاف طور پر بیان کر تا تھا۔"[1]

اسلام کی آمد کے بعد جب قرآنِ مجید کی سحر انگیز فصاحت و بلاغت نے اہلِ عرب کو حیرت میں ڈال دیا تو بعض مشرکین نے حضور اکرم ﷺ پر مجنون ہونے کا الزام لگایا۔ یہ دراصل ایک منفی نوعیت کی تنقید تھی، لیکن اس سے نہ شاعری کے وقار کو کوئی گزند پہنچا اور نہ ہی قرآن کے اعجاز میں کمی آئی۔ اس کے برعکس حسان بن ثابتؓ، فرزدق اور کعب بن زبیرؓ جیسے نامور شعرا نے حضور ﷺ کی مدح میں قصائد کہے اور آپ ﷺ نے ان کے کلام کی اصلاح فرمائی۔ یوں تنقید کو ایک مثبت رخ ملا اور اس کے پیمانوں میں استحکام پیدا ہوا۔

اموی دور میں "غزل" جیسی صنف کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا جس کے اثرات اردو شاعری پر بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ عباسی دورِ حکومت میں عربی تنقید نے مزید ارتقا پایا اور ابن سلام کی **"طبقات الشعراء"**، ابن عبد اللہ کی **"کتاب البدیع "** اور قدامہ بن جعفر کی **"نقد الشعراء "** جیسی تصانیف سامنے آئیں جنہوں نے نئی تنقیدی اصطلاحات کو متعارف کروایا اور نقد و نظر کو علمی بنیاد فراہم کی۔ قدیم ہے۔ البتہ ہر ادب میں تنقید کا عربی ادب میں تنقید کی باقاعدہ روایت تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں لکھی جانے والی تنقیدی کتب، تذکروں اور طبقاتِ شعرا سے شروع ہوئی۔ انہی تصانیف کو عربی تنقید کا نقطۂ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ جدید عرب ناقدین قدیم عربی تنقید کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: منہجی اور غیر منہجی۔ منہجی تنقید سے مراد وہ نقد ہے جس میں اصول و نظریات واضح طور پر مرتب اور مدوّن ہوں، جب کہ غیر منہجی تنقید سے مراد وہ ابتدائی تنقیدی تصورات، تاثرات اور ادبی میلانات ہیں جو اصولِ تنقید کی باقاعدہ تشکیل و ترتیب سے پہلے رائج تھے۔ قدیم عرب معاشرت میں میلوں اور اجتماعات میں شعرا اپنا کلام سناتے اور موقع پر ہی ایک دوسرے کے کلام پر رائے دیتے۔ تاریخِ عرب میں حُباش اور عُکاظ کے میلے خاص شہرت رکھتے ہیں، جہاں مشاعرہ ختم ہونے پر غیر جانبدارانہ تقریظ پیش کی جاتی اور اشعار کے محاسن و معائب بیان کیے جاتے۔ یوں یہ محافل عربی تنقید کی ابتدائی عملی شکل کہی جا سکتی ہیں۔ زاویۂ نگاہ مختلف رہا ہے؛ یونانی ادب میں شاعری کو "نقل" سمجھا گیا، جب کہ سنسکرت میں اسے "سچائی کا عکس" قرار دیا گیا۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> "عرب میں بازار عکاظ کے موقع پر مشاعرہ ہوتا تھا جس میں دور دور کے شاعر شریک ہو کر اپنا کلام سناتے تھے۔ مختلف قبیلوں کے شاعر جب اپنا کلام سنا کر ختم کرتے تھے تو کوئی بزرگ جن کی قابلیت میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا ان اشعار کی اچھائیاں اور برائیاں صاف طور پر بیان کر تا تھا۔"[2]

---

(1) عنوان چشتی "معنویت کی تلاش" رنگ محل پبلی کیشنز، مظفر نگر، ۱۹۸۳ء، ص، ۳۴

(2) عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "اردو تنقید کا ارتقاء"، ص، ۱۳۱

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اسلام کی آمد کے بعد جب قرآنِ مجید کی سحر انگیز فصاحت وبلاغت نے اہلِ عرب کو حیرت میں ڈال دیا تو بعض مشرکین نے حضور اکرم ﷺ پر مجنوں ہونے کا الزام لگایا۔ یہ دراصل ایک منفی نوعیت کی تنقید تھی، لیکن اس سے نہ شاعری کے وقار کو کوئی گزند پہنچا اور نہ ہی قرآن کے اعجاز میں کمی آئی۔ اس کے برعکس حسان بن ثابتؓ، فرزدق اور کعب بن زبیرؓ جیسے نامور شعرا نے حضور ﷺ کی مدح میں قصائد کہے اور آپ ﷺ نے ان کے کلام کی اصلاح فرمائی۔ یوں تنقید کو ایک مثبت رخ ملا اور اس کے پیمانوں میں استحکام پیدا ہوا۔

اموی دور میں "غزل" جیسی صنف کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا جس کے اثرات اردو شاعری پر بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ عباسی دورِ حکومت میں عربی تنقید نے مزید ارتقا پایا اور ابن سلام کی **"طبقات الشعراء"**، ابن عبد اللہ کی **"کتاب البدیع "** اور قدامہ بن جعفر کی **"نقد الشعراء "** جیسی تصانیف سامنے آئیں جنہوں نے نئی تنقیدی اصطلاحات کو متعارف کروایا اور نقد و نظر کو علمی بنیاد فراہم کی۔

جدید عربی تنقید میں دو بڑے رجحانات پروان چڑھے: ایک وہ جو عملی تنقید کے قائل تھے اور دوسرا وہ جو نظریاتی تنقید کو ترجیح دیتے تھے۔ ان دونوں گروہوں نے عربی تنقید کے ارتقا میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ عملی تنقید کے حوالے سے عباس محمود العقاد کا کام نمایاں ہے جنہوں نے ابن الرومی جیسے شعرا کے فن کے پوشیدہ پہلوؤں کو اجاگر کیا، جب کہ احمد امین نے اپنی دو جلدوں پر مشتمل کتاب **"النقد الادبی "** میں نظریاتی تنقید کے اصولوں کو عربی ادب کی مثالوں کے ساتھ واضح کیا۔ جب برصغیر کے مسلمان عربی زبان میں تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے تو فقہ کے موضوع پر اتنی کثیر تصانیف ہوئیں کہ لکھنے والے اکثر اپنی کاوشوں کو شرحوں، حاشیوں اور خلاصوں تک محدود کرنے لگے۔ اس کے باوجود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب **"الانصاف فی بیان سبب الاختلاف "** نہایت اہمیت کی حامل ہے، جس میں انہوں نے فقہی اختلافات کی تاریخ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا۔ شاہ صاحب کے مطابق عہدِ رسالت میں فقہی اختلافات موجود نہ تھے، کیونکہ صحابہ کرامؓ براہِ راست آپ ﷺ کو دیکھ کر عمل کرتے تھے اور یہی ان کی راہنمائی کے لیے کافی تھا۔ بعد میں جب صحابہ کرامؓ مختلف مقامات پر پھیل گئے تو ذاتی معلومات میں فرق اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی تاویلوں میں اختلاف کے باعث فقہی اختلافات جنم لینے لگے۔ حافظے کی کمزوری کو بھی انہوں نے اختلاف کی ایک وجہ قرار دیا۔ ان تمام وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک مدلل تنقیدی مطالعہ پیش کیا۔

اسی عباسی دور میں یونانی تصنیف "Poetics" کا عربی ترجمہ بھی ہوا۔ اگرچہ ارسطو نے شعر کے وزن اور قافیہ کو غیر ضروری قرار دیا تھا، مگر عربوں نے اپنی شعری روایت میں قافیہ و وزن کو لازمی عنصر سمجھا اور نثری نظم کو کوئی مقام نہ دیا۔ یہاں تک کہ اردو کے اُن اہلِ قلم کو جو شاعری کے فنی تقاضوں سے ناواقف تھے، نثر لکھنے کا مشورہ دیا گیا اور نثری نظم سے احتراز کی تلقین کی گئی۔

یوں عربی زبان و ادب میں تنقید کی روایت ایک مکمل اور مضبوط شکل اختیار کر گئی۔ اب جب کہ اردو زبان میں فارسی الفاظ کی کثرت پائی جاتی ہے اور اردو تنقید براہِ راست فارسی روایت سے متاثر ہے، اس لیے فارسی ادب میں تنقید کی روایت و اہمیت کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے تاکہ اردو تنقید کی بنیاد اور ارتقا کو جب معیارِ ادب کی جستجو میں عرب کے تپتے ریگستانوں نے ایران کے سرسبز گلستانوں کا رخ کیا تو یہاں شاعری کو وہ درجہ نہ ملا جو عرب میں حاصل تھا۔ فارسی ادب کے ابتدائی عہد میں شاعری کا مقصد زیادہ تر مدح و ستائش اور محاسنِ بیان پر فخر تک محدود تھا۔ ان اشعار میں مبالغہ اور غلو نمایاں تھے اور مدح سرائی کے میلوں میں انعام حاصل کرنا ہی شاعر کا اصل محرک تھا۔ یوں شاعری کی بنیاد حسنِ تعلیل پر قائم تھی اور اچھائی و برائی کے تعین کا

معیار محاسن و قبیح کے گرد گھومتا تھا۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ کوئی بھی ادب تنقید کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔ فارسی تنقید کے ابتدائی نقوش چوتھی صدی ہجری کے مصنف بہرامی سرخسی کی تصانیف **"خجستہ نامہ"**، **"غایت العروضین"** اور **"کنز القافیہ"** میں ملتے ہیں۔ بہرامی نے قافیہ اور عروض کے اصولوں کو واضح کیا اور اس ضمن میں عربی ناقدین کے افکار سے بھرپور استفادہ کیا۔

قابوس نامہ کے بعد فارسی تنقید کی روایت کو باضابطہ اور منظم انداز دینے میں ابو الحسن احمد السمرقندی کی شہرۂ آفاق کتاب **"چہار مقالہ"** "سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تصنیف فارسی تنقید کے ارتقا کو ایک نئی سمت فراہم کرتی ہے اور بعد کے ناقدین کے لیے بنیاد مہیا کرتی ہے۔ صحیح طور پر سمجھا جا سکے۔ "چہار مقالہ" پر ڈاکٹر مسیح الزماں مرحوم نے یوں روشنی ڈالی ہے:

> "چہار مقالہ فارسی میں ایسی کتاب ہے۔ جس سے معیار شعر پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ نظامی عروضی سمرقندی کے نزدیک شاعر کو مجلس تکلم میں خوش تقریر اور مجلس عیش و عشرت میں خندہ رو ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک اچھے شعر کے لیے قبول عام کی سند ضروری ہے۔ جو تاثیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔"(1)

"چہار مقالہ" میں سب سے پہلے شاعری کی تعریف بیان کی گئی ہے، جس کے بعد خجستانی کی حکایت درج کی گئی ہے۔ یہ حکایت محض تمہیدی گفتگو نہیں بلکہ اپنے اندر تنقیدی شعور کی چنگاریاں بھی سموئے ہوئے ہے۔ گویا یہ کتاب فارسی تنقید کے ارتقا میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ "چہار مقالہ" کے بعد تقریباً سو برس تک فارسی ادب میں کوئی نمایاں تنقیدی کتاب سامنے نہیں آتی۔ پھر جو کتاب منظرِ عام پر آتی ہے وہ ہے "حدائق السحر فی دقایق الشعر"، جو تقریباً ایک صدی بعد لکھی گئی۔ یہ کتاب اپنی بعض خصوصیات میں پرانی تنقید سے مختلف ہے اور فارسی تنقید کو ایک نئی جہت عطا کرتی ہے۔ مذکورہ کتاب کے بارے میں پروفیسر مجیب الرحمٰن نے "قاموس ادبیات فارسی" میں یوں تعارف پیش کیا ہے:

> "علم بلاغت پر فارسی میں سب سے پرانی کتاب ہے جو رشید الدین وطواط نے لکھی ہے۔ وطواط نے فرخی کی "ترجمان البلاغت" التزخوارزشاہ کو پیش کی۔ تو خوارزشاہ نے حکم دیا کہ وہ خود اس موضوع پر لکھے۔ چنانچہ ۵۵۱ھ میں اس نے "حدایق السحر" لکھنا شروع کیا۔ اور الپ ارسلان کے عہد میں مکمل کر دیا۔"(2)

مذکورہ کتاب میں بعض فارسی شاعروں پر وہی رائے پیش کی گئی ہے جن الفاظ کا استعمال فارسی و اردو شعراء کے تذکروں میں انیسویں صدی تک عام رہا۔ اس کے بعد محمد عوفی کی شہرۂ آفاق تصنیف **"لباب الالباب"** سامنے آتی ہے، جو ایرانی شاعروں اور ادیبوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس میں تنقیدی نقطۂ نظر نسبتاً کمزور ہے، لیکن فارسی تنقید کے ایک مستقل رجحان کے تعین میں یہ نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

---

(1) مسیح الزمان مرحوم، "اردو تنقید کی تاریخ"، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء، ص، ۲۶

(2) مجیب الرحمان، "قاموس ادبیات فارسی"، عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ، 1992ء، ص، ۱۵۱

"لباب الالباب" کے بعد فارسی تنقید کی روایت میں جو کتاب سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہے "**المعجم فی معاییر اشعار العجم**" یہ کتاب اصل میں عربی میں لکھی گئی تھی اور بعد میں فارسی میں منتقل ہوئی۔ اس سے قبل فارسی زبان میں اس درجے کی کوئی معیاری تنقیدی کتاب موجود نہ تھی، اس لیے یہ فارسی تنقید میں ایک منفرد اور بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ فارسی تنقید کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا زیادہ تر دائرہ معانی، بیان اور بدیع تک محدود رہا۔ ہمارے ادبی ناقدین نے اگرچہ دیگر علوم و فنون کی طرح نقدِ شعر سے بھی استفادہ کیا، مگر عربی و فارسی تنقید ایسے گہرے اور نظریاتی مباحث سے محروم رہیں جیسی گہرائی یونانی یا سنسکرت تنقید میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود زمانی اعتبار سے یونانی اور سنسکرت کے بعد عربی و فارسی تنقیدی تصورات کو تقدم حاصل ہے، کیونکہ ان زبانوں کے اہلِ علم نے مشرقی شعریات کو معتبر اصولوں اور نظریات سے مالا مال کیا۔ مگر فارسی تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

> "فارسی ادب میں تنقید کا کوئی خاص ارتقاء نظر نہیں آتا۔ عربی کے توسط سے جو خیالات و نظریات اس تک پہنچے اس نے انہیں کو اپنا لیا اور چند روایات قائم کر لیں۔ صدیوں کی قائم شدہ انہیں فرسودہ روایات کے زیر اثر کبھی کبھی تنقیدی خیالات کا اظہار ہوتا رہا۔ تخیل اور غور و فکر کو اس میں مطلق دخل نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کی تنقیدی روایات بالکل میکانکی ہو گئیں۔ چند خاص خیالات تھے۔ چند خاص کلمے اور جملے تھے۔ جن کے پیش کر دینے کو تنقید سمجھا جاتا تھا۔"(1)

چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اردو میں بھی تنقید ایک طویل عرصے تک جمود کا شکار رہی، تاہم چند ایسی ابتدائی تنقیدی روایات ضرور موجود ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔ یہی روایات اردو تنقید کے ارتقائی سفر میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے بغیر اردو تنقید کی تاریخ نامکمل رہتی ہے۔ فارسی میں تنقید کی روایت پر بحث کے بعد اب ناگزیر ہے کہ اردو ادب میں تنقید کی روایت کا بھی جائزہ لیا جائے تاکہ اس کے ارتقاء، خصوصیات اور اثرات کو بخوبی سمجھا جا سکے۔

ماحصل

تنقید کا بنیادی مقصد کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا ہے۔ یہ محض غلطیاں نکالنے کا نام نہیں بلکہ ادب کی قدر شناسی اور معیار قائم کرنے کا عمل ہے۔ تنقید تخلیق کے لیے چراغِ راہ کا درجہ رکھتی ہے اور تخلیقی عمل میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ افلاطون اور ارسطو نے یونانی تنقید کی بنیاد رکھی، لانجائنس اور ہوریس نے اسے مزید آگے بڑھایا۔ عربی تنقید نے مشاعروں اور علمی اجتماعات میں جنم لیا اور عباسی دور میں عروج پایا۔ فارسی ادب میں تنقید کا آغاز عروض اور قافیہ کے اصول مرتب کرنے سے ہوا۔ اردو تنقید براہِ راست فارسی تنقید سے متاثر ہے اور اس نے اپنی الگ پہچان قائم کی۔ تنقید معاشرتی اقدار، جمالیات اور فکری ارتقا کو متوازن رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

---

(1) عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "اردو تنقید کا ارتقاء"، ص، ۷۵

نتائج

تنقید ادب کو معیاری اور مقصدیت سے بھرپور بناتی ہے۔ تخلیق اور تنقید کا باہمی رشتہ ادب کو جمود سے نکالتا اور ارتقائی عمل کو آگے بڑھاتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرے کے لیے مثبت تنقیدی شعور ناگزیر ہے۔ تنقید ادب کو عوام کے ذوق اور تہذیبی اقدار سے ہم آہنگ رکھتی ہے۔ تنقید نئے تخلیقی رجحانات اور فکری تحریکوں کو متعارف کروا کر ادب میں تازگی پیدا کرتی ہے۔ مثبت تنقید ادب کو معاشرتی مسائل کے حل اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بناتی ہے۔ تنقید ادب کو بین الاقوامی سطح پر دیگر زبانوں اور تہذیبوں کے ساتھ تقابل کے قابل بناتی ہے، جس سے علمی و ادبی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

سفارشات(Recommendations)

* تنقید کو نصابی سطح پر زیادہ اہمیت دی جائے تاکہ طلبا میں تنقیدی شعور پروان چڑھے۔
* تخلیق کاروں کو اپنی تخلیقات پر خود تنقیدی نظر ڈالنے کی تربیت دی جائے۔
* نقادوں کو غیر جانبدارانہ اور معروضی رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ ادب میں صحت مند رجحانات پروان چڑھ سکیں۔
* تنقید کو صرف غلطیاں نکالنے تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے تخلیقی رہنمائی کا ذریعہ بنایا جائے۔